شاہد حسین رزاقی

سرسیّد اور ملّی و قومی اتحاد

معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لئے سر سید نے جو کوششیں کیں ان میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو متحد کر کے اسلامی اخوت کے رشتہ کو مستحکم بنانے اور ہندو مسلم اتحاد کو ترقی دینے کی جد و جہد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہندوستان میں تفریق و انتشار اور مذہبی اختلافات نے پورے معاشرہ پر بہت برا اثر ڈالا تھا اور قومی اتحاد و ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔ مسلمان سیاسی، معاشی، دینی ہر اعتبار سے زوال پذیر ہو گئے تھے۔ اور غیر اسلامی اثرات نے ان کے عقائد و نظریات اور طرزِ معاشرت میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ اسلام کے بنیادی اصول و مقاصد کے بجائے وہ فروعات کو اہمیت دینے لگے تھے۔ اور اور عقیدہ میں فرق نے دینی اتحاد اور ملی استحکام کو زبردست نقصان پہنچایا تھا۔

انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت و سلطنت چھینی تھی اس لئے وہ ان کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے اور ان سے خوفزدہ رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان میں اپنے قدم مضبوط کرنے کیلئے ہندوؤں کی سرپرستی کی اور ان کا تعاون حاصل کر لیا۔ ہندو جو صدیوں مسلمانوں کے محکوم رہ چکے تھے انگریزوں کی اس سرپرستی سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے قومی وقار، معاشری برتری اور تہذیب و ثقافت کو مٹا دینے کی کوشش کرنے لگے تھے اور ان کے اس طرزِ عمل نے دونوں قوموں میں روز افزوں اختلافات پیدا کر دیے تھے

مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق

اس طرح ملک میں اختلاف و انتشار پھیل رہا تھا اور ہندوستانی معاشرہ کی حالت روز بروز خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ سر سید نے ان تمام خرابیوں کو شدت سے محسوس کیا اور معاشرہ کی فلاح و بہبود، قوم کی

ترقی و استحکام اور تمام فرقوں اور قوموں میں تعاون اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ملی و قومی اتحاد اور مذہبی رواداری کو ضروری تصوّر کیا۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سرسیّد نے ایک طرف تو یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کے تمام فرقے باہمی اختلافات کو نظر انداز کر کے اخوتِ اسلامی کے رشتہ کو مضبوط بنائیں اور دوسری طرف ان کی کوشش یہ تھی کہ ملک و قوم کی بہتری کے لئے مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد بڑھایا جائے۔ سرسید معاشری اصلاح و ترقی کے لئے جو جدوجہد کر رہے تھے اس میں کامیابی اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ مسلمان متحد و متفق نہ ہوں اور سرسیّد اس بنیادی حقیقت کو پوری طرح محسوس کرتے تھے۔

روحانی رشتہ

مختلف قوموں و فرقوں میں اتحاد و رواداری اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی اس جد و جہد میں سرسیّد نے مسلمانوں میں اتحاد اور دینی اخوت کے فروغ کو اوّلین اہمیت دی۔ اسلام نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے کر جو روحانی رشتہ قائم کر دیا ہے اس کی ضرورت و اہمیت کو ذہن نشین کرنے، نفاق سے محفوظ رہنے اور عقاید میں فرق کو نظر انداز کر کے اسلام کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے متحد و متفق ہو جانے کی تلقین کرتے ہوئے سرسیّد نے یہ واضح کیا کہ زمانۂ دراز سے جس کی ابتدا تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے قوموں کا شعار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔ محمّد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس تفرقۂ قومی کو جو صرف دنیاوی اعتبار سے تھا مٹا دیا۔ اور ایک روحانی رشتۂ قومی قائم کیا۔ جو ایک حبل المتین لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ سے مضبوط ہے۔ تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتے سب کے سب اس روحانی رشتہ کے سامنے نیست و نابود ہو گئے اور ایک نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا۔ اسلام کسی سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے یا تاجیک۔ وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا۔ وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا وہ پنجاب میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان (یو۔پی) میں۔ وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا۔ بلکہ جس نے اس عروۃ الوثقیٰ کلمۂ توحید کو مستحکم پکڑا وہ ایک قوم ہو گیا بلکہ ایک روحانی باپ کا بیٹا بن گیا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ؕ جب کہ خداوند نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی

فرمایا ہے تو ہم سب کا ایک لافانی باپ کی اولاد ہونے میں کیا شک ہے۔

فرقہ بندی کے نتائج

مسلمانوں میں فرقہ داری اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرسید نے کہا کہ مجھے آج یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم سب مسلمان آپس میں بھائی تو ہیں مگر برادرانِ یوسف کی مثل ہیں آپس میں دوستی و محبت، یک دلی و یک جہتی بہت ہی کم ہے۔ حسد و بغض و عداوت کا برا اثر ہر جگہ پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ آپس کی نااتفاقی ہے۔ شیطان ایک مقدس اور بظاہر نہایت نورانی حیلہ سے ان بھائیوں کے درمیان جن کو خدا نے بھائی بنایا ہے نفاق ڈالنے میں کامیاب ہوتا ہے اور جس طرح کہ ہمارے باپ آدم اس کے دھوکے کو خالص دوستی سمجھ کر دھوکے میں آگئے اسی طرح ہم بھی اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور اس نفاق کو جو ہر حالت میں مردود ہے۔ ایک مقدس لباس پہناتے ہیں یعنی ہم اس کو مذہبی مقدس لباس کا خلعت عنایت کرتے ہیں۔ کون شخص ہے جو اس بات کو نہیں جانتا کہ فروع مسائل میں اختلاف ہونے کے سبب کس طرح ہماری قوم نے اس حبل المتین کی بندش کو توڑا ہے اور اس رشتہ اخوت کو جو خدا نے قائم کیا تھا چھوڑا ہے۔ جس شہر و قصبہ میں جاؤ جس مسجد، امام باڑہ میں گئے مسلمانوں میں شیعہ سنی، وہابی و بدعتی، لامذہب و مقلد ہونے کی بنا پر آپس میں نفاق و عداوت پاؤ گے ان نااتفاقیوں نے ہماری قوم کو نہایت ضعیف اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ جمعیت کی برکت ہماری قوم سے جاتی رہی ہے۔ قومی ہمدردی اور قومی ترقی اور قومی امور کے انجام میں نااتفاقی نے بہت کچھ بداثر پہونچایا ہے۔ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم ہیں، دولت میں کم ہیں، تجارت میں کم ہیں اور اس باہمی نفاق و عداوت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کم سے کم ہو گئے ہیں۔

اتحاد و اتفاق بڑھانے کے اصول

عقائد میں اختلاف ہونے کے باوجود مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اتحاد و اتفاق کو بڑھانے کے اصول بیان کرتے ہوئے سرسید نے کہا کہ ہماری قوم کی ترقی کا سب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی و یک جہتی سے بدل دیں۔ یکتائی و یک جہتی سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقاید کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر ہو جاویں۔ یہ امر تو قانونِ قدرت کے برخلاف ہے۔ جو نہیں

سکتا۔ نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ مگر اس اتفاق کو قائم رکھنے کی جس کی ہم کو ضرورت ہے ایک عقلی و نقلی راہ ہے جس کی پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ انسان جب اپنی ہستی پر نظر ڈالے گا تو اپنے میں دو حصے پاوے گا۔ ایک حصہ خدا کا اور ایک حصہ ابنائے جنس کا۔ انسان کا دل یا اس کا اعتقاد یا مختصر طور سے یوں کہو کہ اس کا مذہب خدا کا حصہ ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ اس کے عقاید کی جو کچھ بھلائی یا برائی ہے اس کا معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے نہ بھائی اس میں شریک ہے نہ بیٹا۔ نہ دوست نہ آشنا، نہ قوم۔ پس ہم کو اس بات سے، جس کا اثر ہر ایک شخص کی ذات تک محدود ہے اور ہم سے کچھ تعلق نہیں ہے، کچھ تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ ہم کو کسی شخص سے، اس خیال پر کہ وہ شیعہ ہے یا سنی، وہابی ہے یا بدعتی، لا مذہب ہے یا مقلد ہے یا نیچری، جب کہ وہ خدا اور خدا کے رسول کو برحق جانتا ہے کسی قسم کی عداوت و مخالفت نہیں رکھنی چاہیئے۔ بلکہ اس کو بھائی اور کلمہ کا شریک سمجھنا اور اس اخوت کو جس کو خدا نے قائم کیا ہے قائم رکھنا چاہیئے۔ نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود اسی تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ ضرر اور نقصان نہیں۔ جو حصہ کہ انسان میں اس کے ابنائے جنس کا ہے اسی سے ہم کو غرض رکھنی چاہیئے اور وہ حصہ آپس کی محبت، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی اعانت، ایک دوسرے کی ہمدردی ہے جس کے مجموعہ کا نام قومی ہمدردی ہے یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت ہو اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق، قومی ہمدردی قائم ہو سکتی ہے جو قومی ترقی کیلئے پہلی منزل ہے۔[1]

غیر مسلموں سے دوستانہ تعلقات

قومی ترقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے سرسید کی پہلی کوشش تو یہ تھی کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے اسلامی اخوت کے رشتہ کو مضبوط بنائیں اور دوسری کوشش انہوں نے یہ کی کہ ہندوستان میں رہنے والی مختلف قوموں میں اتحاد و ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کو تقویت دی جائے۔ غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات خوش گوار ہو جائیں۔ ہندو اور مسلمان مل جل کر رہیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ ملک کی ترقی اور بہتری کے لئے ان دونوں قوموں کا اتحاد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں

۱۔ مجموعہ لیکچرز و اسپیچز تقریر لدھیانہ ۲۳ جنوری ۱۸۸۴ء

اور انگریزوں میں میل جول پیدا ہو۔ مسلمان اس بات کا خیال رکھیں کہ انگریز عیسائی ہیں اور اسلام اہل کتاب سے اچھے تعلقات رکھنے کا حامی ہے اور انگریز ان غلط فہمیوں کو اپنے دل سے نکال دیں جن کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے مخالف بن گئے ہیں۔

حُبِّ ایمانی اور حُبِّ انسانی

اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے سرسید نے مسلمانوں کو یہ تبلایا کہ انسانوں میں جو محبت اور دوستی ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو حُبِّ دینی ہے جو ایک مذہب رکھنے والے لوگوں میں دینی اشتراک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری حُبِّ انسانی ہے جو مختلف انسانوں میں معاشرتی تعلقات اور مشترک تہذیب و تمدن کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے بزرگانِ دین سے جو کئی سو برس پہلے گذر چکے ہیں محبت و عقیدت ہوتی ہے۔ دوسرے ملک کے مسلمانوں سے ان کو گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ ان کے لئے برادرانہ جذبات رکھتے ہیں اپنے ملک کے مسلمانوں کو وہ بہت عزیز رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ یہ محبت دینی رشتہ کی پیدا کردہ ہوتی ہے جو صرف مسلمانوں سے ہو سکتی ہے اور اس قسم کی محبت غیر مسلموں سے رکھنا شرعاً ممنوع، حرام، بلکہ کفر ہے لیکن محبت کی ایک دوسری قسم ہے جو انسانی تعلّقات کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلم اور غیر مسلم اگر ایک ساتھ رہیں۔ آپس میں ملنا جلنا، کھانا پینا، ہنسی دل لگی، بات چیت اور مزاج میں باہمی موافقت ہو۔ اور ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ اور مددگار رہیں تو ان میں قدرتی طور پر محبت اور دوستی پیدا ہو جائیگی۔ اور غیر مسلموں سے اس قسم کی دوستی کرنا مسلمانوں کیلئے ممنوع نہیں ہے۔" مذہب اسلام کی رو سے کافروں سے صرف وہی دوستی ممنوع ہے جو مِن حَیثُ الدِّین ہو اور اس کے سوا کسی کی دوستی اور محبت جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہو سکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں ہے پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے یہ ان کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل سچ ہے ہم کو تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور برتنی چاہیئے۔ لیکن یہ تمام محبت اور دوستی حُبِّ انسانی کے درجہ پر ہو۔ کیونکہ حُبِّ ایمانی بلا اتحادِ مذہب ہونی غیر ممکن ہے اور یہی ہدایت ہم کو ہمارے سچے مذہب اسلام نے کی ہے۔"[1]

---

[1] تہذیب الاخلاق جلد پنجم ص۳۵۸

مختلف مذاہب کے لوگوں میں اتحاد و اتفاق کی ضرورت بیان کرتے ہوئے سرسید نے انجمن پنجاب کے سپاسنامہ کے جواب میں کہا تھا کہ "میری آرزو یہ ہے کہ بلا لحاظ قوم اور مذہب کے تمام انسان آپس میں ایک دوسرے کی بھلائی پر متفق ہوں۔ مذہب سب کا بے شک علیحدہ علیحدہ ہے۔ مگر اس کے لحاظ سے آپس میں دشمنی کی وجہ نہیں ہے۔ فرض کرو کہ ایک دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی کسی کھانے کو پسند کرتا ہے اور کوئی کسی کو۔ مگر اس اختلافِ طبائع کی وجہ سے اس دسترخوان پر بیٹھنے والوں کو باہم کچھ رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس دنیا میں مختلف مذہبوں کی وجہ سے مختلف مذہب والوں میں کوئی وجہ باہمی رنج کی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص اپنے ایمان کا مختار ہے۔ وہ اچھا ہے تو اس کے لئے، وہ برا ہے تو اس کے لئے۔ آپس کی محبت میں جو انسانوں کی راحت میں سب سے بڑا جزو ہے اس سے کچھ نقصان نہیں آسکتا۔"[1]

مذاہب کے پیشواؤں کا احترام

مختلف مذاہب کے لوگوں میں اختلاف اور کشیدگی پیدا کرنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ لوگ بعض اوقات دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کا احترام کرنے کے بجائے ان کی توہین کر دیتے ہیں یہ چیز اخلاقاً بہت نامناسب ہے اور اسلام نے تو اس کی سختی سے مخالفت کی ہے سرسید نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہم سب کو دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کا ادب کرنا چاہیئے اور انہوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ جب مذہبی مباحثوں کی کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو اس میں ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے پیشواؤں کا بری طرح پر ذکر کرتا ہے۔ یہ امر مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔ جس مذہب کے جو پیشوا ہیں، جب ہم اپنے مذہبی مباحثوں میں ان کا ذکر کریں، تو ہم کو لازم ہے کہ ان کو برا نہ کہیں بلکہ ادب اور تعظیم سے ان کا ذکر کریں، خواہ وہ لوگ ہندو ہوں یا پارسی، عیسائی ہوں یا یہودی یا خود مختلف عقاید کے مسلمان ہی ہوں۔ اگر ہم ان کے بزرگوں اور پیشواؤں کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آئیں گے تو کیا وجہ ہے کہ وہ بھی اسی طرح ہمارے بزرگوں اور پیشواؤں کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ "مت برا کہو ان کو جو خدا کے سوا اور کسی کی عبادت کرتے ہیں پھر وہ

---

[1] حیاتِ جاوید صفحہ ۸۷۳

بڑھ کر نادانستگی سے خدا کو برا کہیں گے" (انعام - ۱۰۸) پس حقیقت میں غیر مذہب والوں کے پیشواؤں کو برا کہنا خود اپنے مذہب کے پیشواؤں کو برا کہلانا ہے علاوہ اس کے یہ اخلاق اور متانت سے بہت بعید ہے کہ ہم کسی مذہب کے پیشوا کا بے ادبی سے ذکر کریں[1]"

ہندو مسلم اتحاد

سرسید کی تمام جد وجہد مسلم معاشرہ کی اصلاح اور بالخصوص مسلمانوں کی تعلیمی ترقی پر مرتکز تھی کیونکہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت نہایت پست تھی اور ان کے معاشرہ میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں. لیکن معاشری اصلاح کے لئے سرسید جو کوشش کر رہے تھے اس میں وہ ہندوؤں کی بھلائی اور معاشری ترقی کو بھی ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے کیونکہ وہ پورے ملک کی ترقی کے خواہاں تھے اور اس کے لئے اس ملک میں رہنے والی تمام قوموں کی حالت کو بہتر بنانا ضروری تھا۔ سرسید نے بار بار یہ واضح کیا کہ "ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مسلمان ہیں۔ اگر ایک قوم نے ترقی کی اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا بلکہ اس کی مثال ایک کانڑے آدمی کی سی ہو گی۔ لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے نام کو بھی عزت ہو گی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کانڑی، بال بکھری، دانت ٹوٹی بیوہ کہلاوے ایک نہایت خوبصورت پیاری دلہن بن جاوے گی[2]"

ہندوستان کی دو آنکھیں

یہی سبب تھا کہ تمام ایسے موقعوں پر جب ہندو اور مسلمان جمع ہوتے تھے سرسید دونوں قوموں کو اتحاد و اتفاق اور ایک دوسرے کی خیر خواہی و خیر اندیشی کی نصیحت کرتے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ارتباط کی ضرورت واضح کرتے ہوئے سرسید نے کہا کہ جس قدر سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و ارتباط ہندوؤں اور مسلمانوں میں ترقی پکڑتا جاوے ہم کو نہایت خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ صدیاں گذر گئیں کہ ہم دونوں ایک ہی زمین پر رہتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی پیداوار کھاتے ہیں۔ ایک ہی ملک کے دریاؤں کا پانی پیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی ہوا کھا کر جیتے ہیں پس ہندوؤں اور مسلمانوں میں کچھ مغائرت نہیں ہے ہم نے متعدد دفعہ کہا ہے کہ ہندوستان

---

[1] - آخری مضامین سرسید صـ ۱۲۲ - [2] مضامین تہذیب الاخلاق صـ ۹

ایک خوبصورت دلہن ہے اور ہندو اور مسلمان اس کی دو آنکھیں ہیں اس کی خوبصورتی اسی میں ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں سلامت و برابر رہیں اگر ان میں سے ایک برابر نہ رہی تو وہ خوبصورت دلہن بھینگی ہو جاوے گی۔ اور اگر ایک آنکھ جاتی رہی تو کانی ہو جاوے گی۔ پس ہماری سلئے میں اختلافِ مذہب جیسا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں ہے سوشل برتاؤ اور باہمی محبت اخلاص اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں ہو سکتا۔[1]

اب ہندوستان ہی ہم دونوں کا وطن ہے۔ مرنے جینے میں دونوں کا ساتھ ہے۔ ہندوستان میں رہتے رہتے دونوں کا خون بدل گیا۔ دونوں کی رنگتیں ایک سی ہو گئیں۔ دونوں کی صورتیں بدل کر ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سینکڑوں رسمیں اختیار کر لیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سینکڑوں عادتیں لے لیں۔ ہم دونوں آپس میں یہاں تک ملے کہ ہم دونوں نے مل کر ایک نئی زبان اردو پیدا کر لی جو نہ تو ہماری زبان تھی اور نہ ان کی۔[2] پس یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے۔ ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی بھی جو اسی ملک میں رہتے ہیں اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں کہ قوم کا لفظ ملک کے باشندوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے ماضی ملنے میں جو سب سے بڑا سبب ہماری قوم کے تنزل کا ہے وہ یہی ہے کہ ہم میں قومی اتفاق کا خیال نسیاً منسیا ہو گیا ہے"۔

سرسید مسلمانوں کو ایک دوسرے کا روحانی بھائی کہتے تھے اور ہندوؤں کو اپنا وطنی بھائی سمجھتے تھے۔ اور ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ روحانی بھائیوں کے سوا ہمارے وطنی بھائی بھی ہیں۔ گو وہ ہمارے ساتھ اس کلمہ میں جس نے ہم مختلف فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنا دیا ہے شریک نہیں ہیں مگر بہت سے تمدنی امور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔ ہمسایہ کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے اور یہی ہمسائیگی وسعت پاتے پاتے ہم ملکی و ہم وطنی کی وسعت تک پہنچ گئی ہے ان وطنی بھائیوں کی زندگی میں بھی دو حصے ہیں ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا۔ ان کا مذہب خدا کا حصہ ہے اور وہ خدا کے لئے چھوڑ دو۔ اور تمام امور انسانیت اور تمدن و معاشرت سے جو ابنائے جنس کا حصہ ہے اس سے غرض رکھو۔ جو امور ابنائے جنس سے تعلق رکھتے ہیں ان میں ایک دوسرے کے مددگار ہو۔

---

[1] آخری مضامین سرسید ص۸۶ ، [2] حیات جاوید ص۸۷۳

آپس میں سچی محبت، سچی دوستی اور دوستانہ بردباری رکھو کہ دونوں قوموں کے ترقی کرنے کا یہی راستہ ہے۔[1]
علی گڑھ کالج ہندوؤں کے لئے بھی ہے۔

سر سید نے رفاہ عام کے جتنے کام کئے ان میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کو شریک رکھا۔ ان کی اصلاحی کوششوں میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا قیام خاص اہمیت رکھتا ہے اور جیسا کہ سر سید نے واضح کر دیا تھا اس کا قیام کسی فرقہ واری رجحان کا نتیجہ نہ تھا بلکہ سر سید نے یہ ادارہ اس لئے قائم کیا تھا کہ مسلمان تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے تھے، انگریزی تعلیم سے بہت متنفر تھے اور سرکاری مدرسوں میں دینی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام نہ ہو سکتا تھا جو وہ مسلمانوں کے لئے ضروری خیال کرتے تھے۔ اس مدرسہ میں ہندو بھی پڑھتے تھے اور سر سید کی یہ خواہش تھی کہ وہ اس ادارہ سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ مجلس اسلامیہ امرتسر کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے سر سید نے یہ واضح کر دیا تھا کہ "مدرسۃ العلوم بلاشبہ مسلمانوں کی ابتر حالت کو درست کرنے کے لئے اور جو افسوسناک محرومی ان کو یورپین سائنس اور لٹریچر کے حاصل کرنے میں تھی اس کے رفع کرنے کو قائم کیا گیا ہے مگر اس میں ہندو اور مسلمان دونوں پڑھتے ہیں اور تربیت جو ہندوستان میں مقصود ہے دونوں کو دی جاتی ہے۔ ہم لوگ آپس میں کسی کو ہندو کسی کو مسلمان کہیں۔ مگر غیر ممالک میں ہم سب ہندوستانی کہلائے جاتے ہیں۔ غیر ملک والے خدا بخش اور گنگا رام دونوں کو ہندوستانی کہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہندوؤں کی ذلت سے مسلمانوں کی ذلت اور مسلمانوں کی ذلت سے ہندوؤں کی ذلت ہے۔ پھر ایسی حالت میں جب تک یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پرورش نہ پاویں، ایک ہی ساتھ تعلیم نہ پاویں ایک ہی طرح کے وسائل ترقی دونوں کے لئے موجود نہ کئے جاویں، ہماری عزت نہیں ہو سکتی۔ مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے میں میرا یہی مطلب تھا[2]"

انڈین ایسوسی ایشن لاہور کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے بھی سر سید نے مدرسہ کے متعلق اپنی پالیسی اور مقاصد کو واضح کرتے ہوئے کہا تھا کہ "مجھ کو افسوس ہوگا اگر کوئی شخص یہ کہے گا کہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز ظاہر کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے، خاص سبب جو

۱۔ سفرنامہ پنجاب، تقریر لدھیانہ ۲۳ جنوری ۱۸۸۴ء — ۲۔ سفرنامہ پنجاب، جواب ایڈریس امرتسر جنوری ۱۸۸۴ء

اس کالج کے قائم کرنے کا ہوا یہ تھا کہ مسلمان روز بروز زیادہ تر ذلیل اور محتاج ہوتے جاتے تھے۔ ان کے مذہبی تعصبات نے ان کو اس تعلیم سے فائدہ اٹھانے سے باز رکھا تھا جو سرکاری کالجوں اور مدرسوں میں مہیا کی گئی تھی اور اسی وجہ سے یہ امر ضروری خیال کیا گیا کہ ان کے واسطے کوئی خاص انتظام کیا جاوے یہی خیال تھا جس نے مجھ کو یہ کالج قائم کرنے پر آمادہ کیا مگر میں اس بات کے بیان کرنے سے خوش ہوں کہ اس کالج میں دونوں بھائی ایک ہی سی تعلیم پاتے ہیں۔ کالج کے تمام حقوق جو اس شخص سے متعلق ہیں جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے بلا کسی قید کے اس شخص سے بھی متعلق ہیں جو اپنے تئیں ہندو بیان کرتا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ذرا بھی امتیاز نہیں ہے۔ صرف وہی شخص انعام کا دعویٰ کر سکتا ہے جو اپنی سعی و کوشش سے اس کو حاصل کرے۔ اس کالج میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر وظیفوں کے مستحق ہیں اور دونوں کی نسبت بطور بورڈر کے یکساں طور پر سلوک کیا جاتا ہے[1]۔

اُردو قومی اتحاد کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

سرسید اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ لسانی اتحاد قومی اتحاد کا بہت اہم اور موثر ذریعہ ہے کسی ایک ملک میں رہنے والی مختلف قوموں کی زبان اگر ایک ہو تو ان میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ اتحاد ملک کی ترقی میں بڑی مدد دیتا ہے۔ سرسید یہ محسوس کرتے تھے کہ ہندوستان میں کئی قومیں آباد ہیں جن کا مذہب مختلف ہے اور ان کی تہذیب و معاشرت میں بھی فرق ہے اور ان قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور متحد کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ جو ہندوستان میں موجود ہے اردو زبان ہے۔ شمالی ہند میں اس زبان کی ہمہ گیری سے وہ بخوبی واقف تھے۔ انگلستان جاتے ہوئے الٰہ آباد سے بمبئی تک کے سفر میں انہوں نے یہ دیکھا کہ تمام علاقوں میں اردو کا عام رواج ہے۔ حکومت کے کارکنوں سے لے کر چپراسیوں اور قلیوں تک سب اردو میں گفتگو کرتے تھے۔ جہاز کے لوگوں کو اور پھر عدن کے بازاروں میں عربوں اور صمالیوں کو یہ زبان بولتے سنا۔ اس سے ان کو یہ خوشی ہوئی کہ ہندوستان میں ایک ایسی مشترکہ زبان موجود ہے جو سارے ملک کی عام زبان ہے اور یہ قومی اتحاد کو ترقی دینے میں بہت مفید و معاون ہوگی۔ انگلستان میں قیام سے ان کو یہ اندازہ ہوا

---

[1] سفرنامہ پنجاب۔ جواب ایڈریس۔ لاہور جنوری ۱۸۸۴ء